تبصرے

پاکستانی کلچر۔ از جناب جمیل صاحب جالبی۔ تقطیع متوسط، ضخامت ۴۴۴ صفحات۔ کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔ پتہ:۔ مشتاق بک ڈپو۔ نزد اردو کالج۔ شیلڈن روڈ۔ کراچی۔ ۱

پاکستان جب ۱۹۴۷ء میں عالم وجود میں آگیا اور اس ملک کے سب لوگ ایک قوم بن گئے تو اب یہ سوال بالکل طبعی تھا کہ اس قوم کا کلچر کیا ہے؟ کیونکہ کسی قوم کے افراد میں یکجہتی کی بنیاد اُس کا اپنا کلچر ہی ہوتا ہے لائق مصنف کو شکایت ہے کہ سترہ اٹھارہ برس گذر جانے کے باوجود آج تک پاکستان نے اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا ہے۔ اس سلسلہ میں انتشارِ ذہن و فکر کا یہ عالم ہے کہ بعض حضرات پاکستانی قوم کے تہذیبی رشتے بدھ مت کے مراکز سے جوڑنے لگے اور اس بات کا دعویٰ کیا گیا کہ گندھارا اور موہنجوداڑو کی تہذیبیں ہمیں بطور ورثہ ملی ہیں (ص ۸۱) بہرحال چونکہ قومی یکجہتی قومی کلچر کے بغیر نہیں پائی جاسکتی اس لئے مقدم یہ ہے کہ اس کی تعیین و تشخیص کی جائے اور اس کی تشکیل کیونکر ہوسکتی ہے؟ اس پر روشنی ڈالی جائے۔ اس کتاب کا موضوع یہی ہے۔ چنانچہ شروع میں فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے کہ قوم کی تعمیر و ترقی میں اُس کے اپنے کلچر کا کتنا عظیم دخل ہوتا ہے، کلچر کسے کہتے ہیں؟ اُس کے عناصر ترکیبی کیا ہوتے ہیں؟ اور قومی یکجہتی کے وہ کون کون سے مسائل ہیں جنھیں یہ کلچر حل کرتا ہے! ان تمہیدی اور بنیادی مباحث کے بعد شستہ و شگفتہ زبان میں ان تمام چیزوں سے بحث کی گئی ہے جو پاکستانی کلچر کے بنیادی عناصر ترکیبی ہیں۔ چونکہ پاکستان مذہب کے نام پر بنا ہے اس بنا پر ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں پہلا نام مذہب کا ہی آتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے دو مستقل باب "مذہب اور کلچر" کے زیر عنوان اسی پر گفتگو کے لئے وقف ہیں لیکن پاکستانی کلچر کی تشکیل میں مذہب یعنی اسلام کو جو دخل ہے اُس کی نوعیت کیا ہے؟ اور اُس میں کتنی وسعت ہے اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مصنف کے نزدیک

گانا بجانا، مصوّری و نقاشی اور رقص و شاعری بھی" مذہب کا اتنا ہی ناگزیر جزء ہیں جتنا اذان" چنانچہ وہ لکھتے ہیں" وہ لوگ جو شاعری اور دوسرے فنونِ لطیفہ کو مذہب سے خارج سمجھتے ہیں وہ مذہب کے تہذیبی عمل سے بے خبر ہیں"۔ اور دراصل شاعری اور احساسِ جمال کو صرف و محض" مبلغی" کے تابع رکھنا چاہتے ہیں (ص ۱۶۲) جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ظاہر ہے یہ تمام چیزیں اُس وقت تک اس کا جز نہیں ہو سکتی جب تک اُس کے اصول کی نئی اور" ضرورتِ زمانہ کے مطابق" تشریح و تاویل نہ کی جائے چنانچہ مصنف خود اس کے قائل ہیں اور اس پر بڑا زور دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

" مذہب کی حفاظت کا یہ تصوّر دراصل فکر کی اس بنیادی غلطی سے تعلق رکھتا ہے جہاں مذہب کے ابدی اصولوں اور ان ابدی اصولوں کی تاویلات میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، یہاں تاویل بھی ابدی اصول بن گئی ..... احکام خداوندی کی جس طور پر ہمارے ائمہ نے تاویل و توضیح کی ہے وہ کسی بھی اعتبار سے ابدی اصول یا حکمِ خداوندی نہیں ہے" (ص ۱۲۶ و ۱۲۷)

یہ صرف ایک مختصر اقتباس ہے، ورنہ مصنف نے یہی بات بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ دس بارہ صفحات میں پھیلا کر بیان کی ہے لیکن یہ بات اور اس سے مستخرج نتیجہ کس درجہ غلط ہے ؟ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ مذہب سے قطع نظر! کسی علوم و فنون کو لے لیجئے اس کے" ابدی" اصول وہ اصول ہی کیا ہوئے جن کی تاویل و توضیح وقتاً فوقتاً زمان و مکان کے اختلاف اور اُن کے تغیر و تبدّل سے بدلتی رہے ان اصول کا اطلاق کہاں ہو سکتا ہے اور کب ؟ اس میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن خود اصول کا مفہوم اور اس کا مطلب کیا ہے ؟ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لئے ارشاد نبوی ہوا" الحلال بیّنٌ والحرام بیّن وبینهما متشابهات" اور اسی لئے قرآن مجید میں حدود اللہ سے تجاوز کو ظلمِ نفس کہا گیا ہے۔ اگر مصنّف کے بقول گانا بجانا، حسن سے التذاذ اور ناچ رنگ مسلمانوں میں مروج رہا ہے (جس کو اقبال نے" طاؤس و رباب" کہہ کر زوالِ اقوام کا سبب کہا ہے) تو آپ زیادہ سے زیادہ عربوں ایرانیوں، افغانیوں اور مغلوں کا جو مذہباً مسلمان تھے کلچر کہہ سکتے ہیں لیکن ان چیزوں کو اسلام کا جز کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عرب خواتین کے موجودہ لباس کو دیکھ کر یہ کہنا کہ عورتوں کے لئے اسکرٹ پہننا اسلام کا